کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے۔۔۔روز اک چیز ٹوٹ جاتی ہے

تحریر: سہیل احمد لون

محرم الحرام کے آغاز کے ساتھ ہی حکومت کے لیے عوامی تحفظ کی ذمہ داری کا سخت امتحان شروع ہو گیا۔ سابقہ حکومت کے نقش قدم چلتے ہوئے موبائل فون سروس بند کرنے سمیت بعض علاقوں میں موٹر سائیکل چلانے یا ڈبل سواری پر پابندی عائد کر دی گئی۔ وطن عزیز میں سیکیورٹی کا معاملہ تشویش ناک حد یں عبور کر چکا ہے۔ اگر عوامی سہولیات پر پابندی عائد کرنے سے امن وامان قائم کرنے میں مدد ملتی ہے تو قانون نافذ کرنے والے اور حساس اداروں کے اہل کاروں کی جانیں داؤ پر لگانے اور سیکیورٹی کے نام پر پیسہ برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جہاں عوام سے اتنا کچھ چھینا جا چکا ہے وہاں موٹر سائیکل اور موبائل سروس کی سہولت بھی مستقل بنیادوں پر چھین لیں مگر اس کے بدلے عوام کو اس بات کا یقین دلا دیں کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوگا۔ 1987ء رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں بوہری بازار کراچی میں بم دھماکہ ہوا جس میں درجنوں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اس وقت موبائل فون کا پاکستان میں رجحان نہیں تھا، اگر موبائل فون کے استعمال کے بغیر اس وقت دہشت گردی کا واقعہ ہو سکتا تھا تو آج بھی ممکن ہے۔ کراچی کے 2 دھماکوں کے علاوہ خصوصاً نویں، دسویں محرم پر دہشت گردی کا کوئی بڑا واقعہ نہ ہونے پر حکومت کے بڑک لگانے سے پہلے ہی راولپنڈی میں پیش آنے والے واقعات اتنے سنگین صورت حال کر گئے کہ فوج، رینجرز طلب کرنا پڑی، کرفیو کا نفاذ کرنا پڑا۔ فرقہ واریت نما دہشت گردی کی یہ آگ راولپنڈی تک ہی محدود نہ رہی بلکہ ملتان تک اس کے شعلے دکھائی دیئے۔ قیام پاکستان کے بعد اب تک اتنے سانحہ رونما ہو چکے ہیں کہ وطن عزیز سانحستان لگنا شروع ہو گیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ آج تک کسی بھی سانحہ کے ذمہ دار کو بے نقاب کر کے سزا نہیں دی گئی۔ کسی بھی ناخوشگوار واقعہ کے پیچھے بیرونی ہاتھ ملوث ہونے کا فتوی ہر دور میں جاری ہوا۔ مگر یہ بیرونی ہاتھ اس قدر طلسماتی ہے کہ آج تک ہمارے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ کر رہا ہے اور ہمارے ادارے جن کے لمبے ہاتھوں کا غریب عوام میں بڑا چرچا ہے وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں، کیا کبھی عوام کو قانون کے لمبے ہاتھوں اور خفیہ بیرونی ہاتھوں کی ہتھ جوڑی دیکھنے کو نصیب ہو گی۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اندرونی ہاتھ کشکول سے آزاد نہ ہوں، کشکول زدہ ہاتھ گٹنے یا پاؤں کو تو چھو سکتے ہیں مگر کسی بیرونی ہاتھ والے کا گریبان نہیں پکڑ سکتے کیونکہ مانگنے والے ہاتھ ہمیشہ بندھے ہوتے ہیں۔ شرک کرنا بہت بڑا گناہ ہے مگر جب انسان خدا کے علاوہ کسی زمینی خدا کے سامنے ہاتھ باندھ لے یا سجدہ ریز ہو جائے تو پھر ایسے ہی دن دیکھنے کو نصیب ہوتے ہیں۔ قائداعظم نے دوقومی نظریے کی بنیاد پر الگ ریاست پاکستان کی ڈیمانڈ کی تھی۔ ہم نے علیحدہ ملک تو حاصل کر لیا مگر بدقسمتی سے اچھے مسلمان تو درکنار ہم اچھے انسان بھی نہ بن سکے، کشمیر آزاد کروانے کا خواب شرمندہ تعبیر تو نہ ہو سکا مگر پاکستان دولخت ہو گیا۔ دوقومی نظریے کی بنیاد پر بننے والا ملک دو ٹکڑے تو 1971ء میں ہو گیا تھا مگر اب حالات جس طرف جا رہے ہیں اگر ان کو قابو نہ کیا گیا تو اگلی بار ان کے ٹکڑوں کی تعداد بڑھ بھی سکتی ہے۔ اگر باقی ماندہ ملک بچانا ہے تو قائداعظم کے قومی نعرے اتحاد، ایمان، تنظیم پر عمل کر لیں۔ قائداعظم کے قومی نعرے کی ترتیب پر بھی کچھ لوگوں کو اعتراض رہتا ہے کہ سب

سے پہلے ایمان ہونا چاہیے۔ حالانکہ باہمی اتحاد ہوتو ایمان، مسلک، عقیدہ اور مذہب کسی کا کچھ بھی ہوتو ملکی معاملات چل سکتے ہیں۔ بقول شیخ رشید اپنا عقیدہ چھوڑو نہ اور کسی کا چھیڑو نہ تو کوئی مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ 14 اگست 1947ء کو سامراجی شکنجے سے آزاد ہونے کے صرف تین دن پہلے قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی مجلس دستور ساز سے خطاب کرتے ہوئے ریاست پاکستان کے ڈھانچے اور ابتدائی ہیت پر تقریر کرتے ہوئے واعظ الفاظ میں کہا کہ آپ کو اپنی مسجدوں، مندروں اور گرجا گھروں میں جانے کی مکمل آزادی ہے ریاست کا اس سے کوئی تعلق نہیں کہ کسی شہری کا مذہب کیا ہے۔ میں نے آسان ترین الفاظ میں ان الفاظ کو لکھنے کی کوشش کی ہے جو قائداعظم نے انگریزی زبان میں کہے۔ سب سے پہلے تو قائد کی تقریر کو چھپنے سے روکا گیا لیکن خدا بھلا کرے ''ڈیلی ڈان'' کا جس نے اس وقت تقریر کو من وعن شائع کر کے آنے والی نسلوں تک پہنچادیا کہ بانی پاکستان کس طرح کی ریاست کا نقشہ ذہن میں لیے جدجہد کرتے رہے۔ لیکن 1949ء کی قرارداد مقاصد نے ریاست کے بنیادی ڈھانچے کی جو تشریح کی وہ قائد کے خیالات ونظریات سے بالکل متضاد بلکہ متصادم تھی۔ پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دینے کے بعد نام نہاد ملاؤں اور خودغرض سیاسی رہنماؤں نے ''اسلام'' کے نام پر اپنے اپنے مفادات کی جنگ کا وہ سلسلہ شروع کیا کہ آج 66 برس گزرنے کے بعد بھی ہر صوبے سے الامان الامان کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہمارے ملک میں بسنے والوں کی اکثریت ان لوگوں کی ہے جن میں شعور کم اور جنون زیادہ ہے۔ اسی چیز کا فائدہ چند لوگ اٹھاتے چلے آرہے ہیں۔ کیونکہ جنونی لوگ دماغ سے کم اور دل سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے اس عوام کے دل میں اسلام کا امن اور محبت کا پیغام اتارنے کی بجائے اپنی سیاست چمکانے کے لیے ایک اجنبی ''اسلام'' کا نعرہ یا نام استعمال کیا ہے۔ اس مکروہ کام میں پاکستان کے جمہوری اور آمر رہنماؤں نے اپنا اپنا حصہ ہر دور میں ڈالا۔ ہم نے مذہب میں سیاست، سیاست میں مذہب، آمریت میں جمہوریت، جمہوریت میں آمریت، امن میں جنگ، جنگ میں امن، جیسے اعمال کر کے ہر شئے منافق زدہ کر دی ہے۔ مادر جمہوریت برطانیہ میں محرم سمیت تمام مذہبی رسومات، مسلکی پروگرام، علاقائی تہوار منانے کی اجازت اور آزادی ہی نہیں ہوتی بلکہ مکمل تحفظ فراہم کرنے کی یقین دہانی بھی کروائی جاتی ہے۔ اس سے باہمی اتحاد بڑھتا ہے مختلف مذاہب اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک دوسرے کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یورپی یونین میں شامل دو درجن سے زائد ممالک جن میں کئی ممالک آپس میں عالمی جنگوں میں حریف تھے آپس میں ایسے متحد ہوئے ہیں کہ کرنسی بھی ایک ہے، بارڈر بھی کھلے جو جس ملک کا باشندہ جب چاہے دوسرے ملک جا کر آباد ہو جائے اور اسے وہاں وہی حقوق میسر ہونگے جو اس ملک کے باشندے کے ہیں۔ کرنسی کے حوالے سے برطانیہ نے ساتھ نہ دیا مگر باقی معاملات میں یورپی یونین کے ساتھ ہی ہے۔ اگر اتنے ممالک آپس میں تمام تلخ یادیں بھول کر متحد ہو سکتے ہیں تو ہم کیوں لسانیت، صوبائیت، قومیت، فرقہ واریت کا شکار ہیں؟ ہمیں ایسے قائد کی ضرورت ہے جو صرف پاکستانی بن کر سوچے اور ملک میں استحکام اور پرامن فضاء لانے کے لیے صوبوں، فرقوں، مذہبوں، اور طبقوں کی سیاست نہ کرے۔ کسی بھی معاشرے میں جب لوگ تعصّبات سے عاری ہو کر ایک پرچم تلے متحد ہو کر اپنے قائد کی آواز پر لبیک کہتے ہیں تو ہجوم سے ناقابل تسخیر قوم بن جاتے ہیں۔ اتحاد برداشت کے بغیر ممکن نہیں، برداشت کا تعلق شعور سے ہے، شعور بیدار کرنے کے لیے تعلیم ضروری ہے مگر ہمارا تعلیمی نظام اور نصاب ہی یکساں نہیں۔ ہر طبقے کا اپنا نظام ونصاب تعلیم ہے جو اختلافات کو جنم

دیتا ہے۔ہم انسان اور پاکستانی بن کر سوچیں تو شاید بہتر نتائج نکل سکیں۔کیونکہ مذہبی انتہا ءپسندی میں ہم اپنے علاوہ دیگر مسلک یا فرقوں کے لوگوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے اور نفاق کا شکار ہو جاتے ہیں۔حالیہ فرقہ واریت کی آندھی کا ذمہ دار بیرونی ہاتھ کو قرار دے کر جان چھڑانے سے معاملہ حل نہیں ہوگا۔ان واقعات میں کوئی اسرائیلی، بھارتی، امریکی یا افغانی ایجنٹ براہ راست ملوث نہیں تھا بلکہ ہمارے اپنے ہی لوگ تھے۔ہمیں پہلے اپنا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ مذہب کو سیاست اور سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے۔تمام شہریوں کو مذہبی آزادی ہو مگر ریاست سب کے جان و مال کا تحفظ فراہم بھی کرے۔مہاجرین کے مسلے سے شروع ہونے والا سلسلہ لاتعداد نئے مسائل کو جنم دے کر آج بھی اس ریاست کو پہ در پہ پرت در پرت تقسیم کر رہا ہے۔جان ایلیاہ نے کیا خوب کہا تھا

کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے
روز اک چیز ٹوٹ جاتی ہے

تحریر: سہیل احمد لون
سرٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com
18-11-2013.